مولانا عبدالمجید سالکؒ

اسلامی ہند میں فنِ موسیقی

بعض متعصب مورخین جن سلاطین کو خونریزی و سفاکی کا الزام دیتے ہیں اور انھیں حسیات لطیفہ سے خالی ظاہر کرتے ہیں ان کی علم دوستی اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی تاریخ کے صفحات سے اس قدر روشن ہے کہ ان کے حالات پڑھ کر کوئی منصف مزاج شخص ایک لمحہ کے لئے بھی یقین نہیں کرسکتا کہ ہندوستان کے مسلم سلاطین و امراء میں وحشت و بربریت کا شمہ تک بھی تھا۔ علم کی قدر ذاتی اور تعلیم و تدریس کی ہمت افزائی ان بادشاہوں کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ اور وہ دانش و فرہنگ اور علوم و فنون کی خدمت کو لازمۂ بادشاہی سمجھتے تھے۔ مسلمان سلاطین نے دوسرے فنون لطیفہ کی طرح فنِ موسیقی کی ترقی و تہذیب کے سلسلہ میں جو کوششیں کیں ان کے تذکرہ سے قبل ہم ہندوستانی موسیقی کے ساتھ مسلمانوں کے عمومی شغف کو واضح کرنے کیلئے ابوالکلام آزاد کی کتاب "غبارِ خاطر" کا ایک اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں:

"اب ہندوستان کے علوم و فنون مسلمانوں کے لئے غیر ملکی نہیں رہے تھے۔ بلکہ خود ان کے گھر کی دولت بن گئے تھے۔ اس لئے ممکن نہ تھا کہ وہ ہندوستانی موسیقی کے علم و ذوق سے تغافل برتتے۔ چنانچہ ساتویں صدی ہجری میں امیر خسرو جیسے مجتہدین کا پیدا ہونا اس حقیقتِ حال کا واضح ثبوت ہے۔ اب ہندوستانی موسیقی ہندوستانی مسلمانوں کی موسیقی بن چکی تھی اور فارسی موسیقی غیر ملکی موسیقی سمجھی جانے لگی تھی۔ ..... غالباً مسلمان بادشاہوں سے پہلے مسلمان صوفیوں نے اس کی سرپرستی شروع کردی تھی۔ ملتان، اجودھن، گوڑ اور دہلی کی خانقاہوں میں وقت کے بڑے بڑے باکمال حاضر ہوتے تھے، اور برکتِ قبولیت کے لئے اپنا اپنا جوہر کمال پیش کرتے تھے۔ خلجی اور تغلق کے درباروں میں ہندوستانی موسیقی کی مقبولیت اور قدر دانیوں کے واقعات تاریخ میں موجود ہیں لیکن جس شاہی خاندان نے موسیقی سے بحیثیت فن کے خاص اعتنا کیا وہ غالباً جونپور کا شرقی خاندان تھا۔ اسی عہد کے لگ بھگ دکن کے بہمنی اور نظام شاہی خاندانوں کا اور پھر بیجاپوری بادشاہوں کا ذوق شوق نمایاں ہوتا ہے۔ ابراہیم عادل شاہ تو بقول ظہوری اس اقلیم کا جگت گرو تھا اور اس کے شوق موسیقی نے بیجاپور کے گھر گھر میں وجد و سماع کا چراغ روشن کر دیا تھا۔ ظہوری اس کی مدح میں کیا خوب کہہ گیا ہے:

مروّت کردہ شبہا برتو سیر بام و در لازم   نمی باشد چراغے خانۂ بے نوایاں را

مالوہ، بنگال اور گجرات کے بادشاہوں کے ذاتی اشتغال و ذوق کے واقعات تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں۔گور کے سلاطین ملکی زبان اور ملکی موسیقی دونوں کے سرپرست تھے......مالوہ کے باز بہادر کو روپ متی کے عشق نے ہندی کا شاعر بھی بنا دیا اور موسیقی کا ماہر بھی۔آج تک مالوہ کے گھروں سے اس کے دُھروں کی نوائیں سنی جا سکتی ہیں۔اکبر کی قدر شناسیوں سے اس فن کو جو عروج ملا اس کا حال عام طور پر معلوم ہے۔ابو الفضل نے آئین اکبری میں ان تمام باکمالوں کا ذکر کیا ہے جو فتحپور اور آگرہ میں جمع ہو گئے تھے۔اور ان میں بڑی تعداد مسلمانوں کی تھی۔جہانگیر نے اپنی تزک میں جا بجا ایسے اشارے کئے ہیں۔جن سے اس کے ذاتی ذوق اور اشتغال کا ثبوت ملتا ہے ......امراء و شرفا کی اولاد کی تربیت کے لئے جس طرح تمام فنون مدارس کی تحصیل کا اہتمام کیا جاتا تھا۔اسی طرح موسیقی کی تحصیل کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ملک کے ہر حصے میں باکمالانِ فن کی مانگ تھی، اور دہلی اور آگرہ، لاہور، اور احمد آباد کے گویے بڑی بڑی تنخواہوں پر اُمراء شرفا کے گھروں میں ملازم تھے.....اس عہد کے کتنے ہی مقدس علما ہیں۔جن کے حالات پڑھیئے، تو معلوم ہوتا ہے، کہ اگر موسیقی کے اشتغال سے وہ دامن بچاتے رہے۔لیکن فن کے ماہر اور نکتہ شناس تھے۔ملا مبارک (ابو الفضل اور فیضی کے والد) کے حالات میں خصوصیت سے اس کی تصریح ملتی ہے۔کہ وہ ہندوستانی موسیقی کا عالم و ماہر تھا۔اکبر نے تان سین کا گانا سنوایا۔تو صرف اتنی داد ملی کہ "ہاں۔گا لیتا ہے"۔ ملا عبد القادر بدایونی جیسا متشرع اور متصلب شخص بھی بین بجانے میں پوری مہارت رکھتا تھا اور فیضی نے ضروری سمجھا۔کہ اکبر کی خدمت میں اس کی سفارش کرتے ہوئے۔اس کی مشاقی کا ذکر کر دے۔ علامہ سعد اللہ شاہجہانی جن کی فضیلت علمی اور ثقاہت طبع کا تمام معاصر اعتراف کرتے ہیں۔موسیقی اور سنگیت کی ہر شاخ پر نظر رکھتے تھے۔ان کے اُستاد ملا عبد السلام لاہوری تھے......ان کے ذوقِ موسیقی کا یہ حال تھا، کہ جس طرح ہدایہ اور بزدوی کے مقامات حل کرتے تھے۔اسی طرح موسیقی کی مشکلات بھی حل کر دیا کرتے تھے۔شیخ معالی خان جو مُلا طاہر پٹنی محدّث گجرات کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور قاضی القضاۃ شیخ عبد الوہاب گجراتی کے پوتے تھے۔ان کے حالات میں صاحب مآثر الامرا نے لکھا ہے، کہ موسیقی کے شیفتہ اور اس کی باریکیوں کے دقیقہ سنج تھے۔ملا شفیعائے یزدی مخاطب بہ دانشمند خان کہ سر آمد علمائے عصر تھا......ہندوستان میں آتے ہی ہندوستانی موسیقی میں ایسا باخبر ہو گیا۔کہ وقت کے باکمالانِ فن کو اس کے فضل و کمال کا اعتراف کرنا پڑا....

شیخ علاؤ الدین جو اپنے عہد کے مشہور صوفی گزرے ہیں۔ ان کے حالات میں سب لکھتے ہیں کہ ہندوستانی موسیقی کے ماہر اور آلاتِ موسیقی کے غیر معمولی مشاق تھے شیخ جمالی صاحب سیر الاولیا اور ان کے لڑکے شیخ گدائی دونوں کا فن موسیقی میں توغل مشہور ہے۔ دورِ آخر میں مرزا مظہر جان جاناں اور خواجہ میر درد فن موسیقی کے ایسے ماہر تھے کہ بڑے بڑے کلاونت اپنی چیزیں بغرض اصلاح پیش کرتے تھے۔ اور ان کے سر کی ایک ہلکی سی جنبش کو بھی اپنے کمال فن کی سند تصور کرتے۔ شیخ عبدالواحد بلگرامی شیر شاہی عہد کے ایک عالی قدر بزرگ تھے۔ سلوک و تصوف میں ان کی کتاب "سنابل" مشہور ہو چکی ہے۔ بدایونی ان کے حالات میں لکھتے ہیں، کہ ہندی موسیقی میں نقش آرئیاں کرتے تھے۔ . . . . شاہ نواز خان صفوی کے حالات میں صاحب مآثر الامرا نے لکھا ہے، کہ۔

شیفتۂ موسیقی بود و خوانندہ ہا و سازندہ ہا کہ پیش خود جمع کردہ بود نظیر نہ داشتند۔

زین خان کوکہ کا علوم و رسیہ میں شغف معلوم ہے۔ اس کے حالات میں لکھتے ہیں:

بہ کتب و راگ شغفے داشت و سازہا بہ کمال حسن و خوبی می نواخت

اس کا لڑکا مغل خاں بھی اس باب میں اپنے باپ کا جانشین تھا۔ خان زماں میر خلیل نے جو عین الدولہ آصف خاں کا داماد تھا (جس کی بیوی اورنگ زیب کی خالہ تھی) اس فن میں بڑی مہارت پیدا کی کہ لوگ اپنے اختلافات اس کے آگے فیصلے کے لئے پیش کرتے۔ سرس بائی جو شہزادہ مراد کی محبوبہ تھی۔ خیال گانے میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ مگر خود شہزادہ کی فن دانی کا مرتبہ اتنا بلند تھا، کہ وہ اس کی شاگردی پر ناز کرتی۔

ہندوستانی موسیقی پر پہلی مستند کتاب بنگال کے نامور شاعر جے دیو نے گیتا گووند کے نام سے لکھی۔ یہ بارھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ اس کے بعد تیرھویں صدی عیسوی میں پنڈت سارنگ دیو نے سنگیت رتناکر تصنیف کی۔ لیکن باوجودیکہ ان کتابوں کی متعدد شرحیں اور تفسیر لکھی گئیں۔ لیکن ہندو اور یورپین مصنفین کا اس پر اتفاق ہے، کہ ان کتابوں کو سمجھنے والا کوئی آدمی موجود نہیں۔ لہٰذا ان باکمالوں کی محنت رائیگاں گئی۔ جو کتابیں سمجھ میں آنے والی ہیں وہ سب کی سب تیرھویں صدی کے بعد لکھی گئیں۔ اور ان سب میں موسیقی کی وہ صورت نمایاں ہے جو اس نے امیر خسرو کے بعد اختیار کی۔

اگرچہ سندھ میں عرب حکومت کے ماتحت موسیقی کے چرچے اور اس کی ترقی کے متعلق معتدبہ معلومات دستیاب نہیں ہو سکیں۔ لیکن بنو امیہ کے زمانے کے خلفاء اور امرا کے ذوقِ موسیقی کو کون نہیں جانتا۔ کتاب الاغانی اور دوسری معاصر تصنیفات میں اس کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ محمد بن قاسم اور اس کے رفقا اور اس کے بعد مقرر ہونے والے عرب گورنر عربی و عجمی موسیقی کے قدردان تھے۔ ہندوستانی موسیقی بھی سنتے ہونگے، اور دونوں کے درمیان امتزاج کا غیر محسوس سا عمل مدت تک جاری رہا ہوگا۔

لیکن سلاطین دہلی کے ذوق و شوق کی داستانوں سے تو تاریخ کی کتابیں لبریز ہیں۔ غزنوی، غوری خاندانوں کو تو چھوڑ دیجئے۔ اسلئے کہ یہ ملک گیری اور کشورکشائی کا دور تھا۔ لیکن سلطان بلبن کے عہد میں جب امیر خسرو کے زیر صدارت فنونِ ادب کی ترقی کے لئے مجلسیں قائم ہوئیں اور شہزادہ محمد نے ان کی سرپرستی اختیار کی تو سلطان کے دوسرے فرزند قراخان بغرا نے اپنے محل میں ایک مجلس کا آغاز کیا جس میں قصہ گو، رقاص اور موسیقی دان شامل ہوتے تھے اور اس مجلس کی مقبولیت سے متاثر ہو کر امرائے دربار نے بھی شہر میں ایسی کئی مجلسیں برپا کر دیں[۵]۔

جلال الدین خلجی کے زمانے میں بھی امیر خسرو شعر و نغمہ کی تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔ اور مجالس سلطانی میں علم و فضل کے ساتھ ہی ساتھ موسیقی کا چرچا بھی رہتا تھا۔ اس زمانے کے بہترین گانے والے امیر خاصہ، اور حامد راجا تھے، اور سازندوں میں محمد چنگی، فتوحا ناصر خان اور بہروز نہایت باکمال اور نامور تھے۔ امیر خسرو ہر مجلس میں اپنا کلام یا نغمہ سناتے اور ہر دفعہ انعام پاتے[۶]۔

یہ زمانہ موسیقی میں تجدید و اجتہاد کا زمانہ تھا، اور مجتہد امیر خسرو تھے۔ جنھوں نے ہندوستانی موسیقی میں عجم کا پیوند لگا کر اسے حیاتِ تازہ بخشی۔ اور گزشتہ چھ سات سو سال کے دوران میں جو موسیقی ہندوستانی موسیقی کے نام سے مشہورِ زمانہ چلی آرہی ہے اس میں غالب حصہ امیر خسرو کے اجتہاد سے متاثر ہے۔ خسرو قصبہ پٹیالی میں پیدا ہوئے، جو سرکار قنوج میں گنگا کے کنارے واقع تھا۔ سن ولادت ۱۲۵۳ء ہے۔ والد ایک ممتاز ترک خاندان کے شمع و چراغ تھے۔ سیف الدین شمس نام تھا۔ چنگیز خان کے حملے کے وقت بلخ سے ہندوستان ہجرت کر آئے تھے۔ ابھی خسرو نو سال کے تھے۔ کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ان کے نانا عماد الملک نے کہ غیاث الدین بلبن کے دربار میں مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ خسرو کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ چونکہ عماد الملک کے ہاں ماہرین موسیقی کی بہت قدردانی ہوتی تھی۔ اس لئے خسرو ابتدائی عمر ہی میں ہندوستان کی قدیم موسیقی سے بخوبی آشنا ہو گئے۔ جب ہوش سنبھالا۔ تو شاعری اور موسیقی کے حیرت انگیز کمالات اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے دربار سلطانی میں پہنچ گئے۔ اُنہوں نے ۱۲۷۷ء سے لے کر سات بادشاہوں کا عہد دیکھا۔ محمد سلطان بلبن، کیقباد، جلال الدین، فیروز شاہ، علاء الدین خلجی، قطب الدین۔ غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق، خسرو ہر دربار میں نمایاں اور معزز خدمات پر ممتاز رہے اور انھیں سب سے بڑی سعادت یہ نصیب ہوئی۔ کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مرید ہو گئے۔ حضرت خواجہؒ چونکہ شعر و موسیقی کے نہایت عالی پایہ اندازہ دان تھے۔ اور خسرو کی طبیعت کے سوز و ساز سے بھی آگاہ تھے۔ اسلئے انھوں نے اپنے اس باکمال مرید پر خاص توجہات مبذول فرمائیں اور خسرو نے بھی حضرت کے والہانہ عشق میں اپنے آپ کو فنا کر دیا۔ اس دربار پُرانوار میں باریاب ہونے کے بعد خسرو نے کسی دوسرے دربار کا رُخ نہ کیا۔ اور ۱۳۲۵ء میں وفات پائی۔

امیر خسرو ہندوستان کے فارسی شاعروں میں بلند ترین مرتبہ رکھتے ہیں اور فصحائے ایران نے ہمیشہ اس شاعر ہند کا

۵؎ فرشتہ اوّل ۲۵۷-۲۵۸- ۶؎ فرشتہ اول ۲۹۲-۲۹۳-

ہوا مانا ہے۔ ان کی شاعری کے مفصل ذکر کا یہ موقع نہیں۔ انھوں نے تحفۃ الصغر، وسط الحیوۃ، غرۃ الکمال، اور بقیہ نقیہ کے ناموں سے اپنی نظموں اور قصیدوں کے مجموعے مرتب کئے۔ ابھی پہلی تین کتابیں مکمل ہوئی تھیں کہ غرۃ الکمال میں فرماتے ہیں ؎

نظم را کردم سہ دفتر ور بہ تحریر آمدے علم موسیقی سہ دیگر بود ار باور بود

یعنی ان کے نزدیک علم موسیقی میں ان کی مہارت اُن کے کمال شاعری سے ہرگز کم نہ تھی۔ اور اس میں کسی شک وریب کی گنجائش نہیں کہ علم موسیقی میں ان کے کارنامے کمالاتِ شاعری کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی ہیں کم نہیں۔ وہ ہندی کے شاعر بھی تھے بلکہ یہ کہنا چاہیئے۔ کہ اُردو شاعری کی ایجاد کا سہرا بھی انہی کے سر ہے۔ ان کی پہیلیاں، کہ مکرنیاں، دوسخنے اور دوہے، اُردو میں نہیں۔ تو اور کس زبان میں ہیں۔ اور جب انھوں نے اپنے مرشدِ طریقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی تربت کو دیکھ کر انتہائی درد سے یہ شعر پڑھا۔ کہ ؎

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس چلو خسرو گھر آپنے رین بھئی سب دیس

تو گویا اُنھوں نے اُردو شاعری کی داغ بیل ڈال دی۔

موسیقی میں امیر خسرو نے جو اجتہادات کئے۔ ان کا تفصیلی تذکرہ تو کسی ماہر موسیقی ہی کا کام ہے، جو ہندی و عجمی دونوں قسم کی راگنیوں کے پیچ و خم اور سُر تال سے باخبر ہو۔ ہمیں تو صرف یہ بتانا ہے۔ کہ جن مسلمان، ہندو اور یورپی مصنفین نے ہندوستانی سنگیت پر مستند کتابیں لکھی ہیں۔ وہ بالاتفاق شاہد ہیں، کہ امیر خسرو نے اپنے اجتہادات سے اس فن کو کمال تک پہنچا دیا۔ بلکہ اس کی ہیئت کو بدل کر اسے ایسے دلفریب راستے پر ڈال دیا۔ کہ پورا ہندوستان کلاسیکی موسیقی کو بھول کر شمالی ہند کے اس سنگیت کا دلدادہ و شیدا ہو گیا جس کی تخلیق کا تاج امیر خسرو کے سر پہ ہے۔ مرزا محمد واحد ایم اے نے اپنی کتاب "لائف اینڈ ورک آف امیر خسرو" میں لکھا ہے:-

> امیر خسرو کو موسیقی میں جو انہماک اور کمال حاصل تھا۔ اس کا سُراغ خود ان کی اپنی تصنیفات سے بھی ملتا ہے ان کی تیزی طبع اور آزادی تخیّل نے ہمیشہ قدیم و فرسودہ روایات سے روگردانی کر کے نئے نئے اسالیب تلاش کیئے۔ نہایت افسوس ہے کہ اگرچہ ہندوستان کی جامد اور قدیم موسیقی میں امیر خسرو کی ذہانت و قابلیت کا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اس پر بھی بعض متعصب مصنفین ان کی منفرد شخصیت کے کمالات کا اعتراف نہیں کرتے۔

پروفیسر راناڈے نے اپنی کتاب "ہندوستانی میوزک" ہربرٹ پوپلے نے اپنی کتاب "ہندوستان کی موسیقی" میں خسرو کے کمال اجتہاد کا اعتراف کیا ہے، اور لکھا ہے، کہ انھوں نے ہندوستانی سنگیت کے فن کو جلا دی اور اس میں مزید امکانات پیدا کر دیئے حکیم محمد اکرم امام خاں (نامور ماہر موسیقی) نے شاہان اودھ کے زمانے میں اپنی کتاب المو سیقی لکھی۔ جس میں امیر خسرو کے متعلق لکھا:-